قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

الحمد للہ کہ

رسالہ

خطابِ مودودی

جس میں مولانا مودودی کے متعلق مفصل سلسلہ مضمون کو درج کیا گیا ہے جو اخبار "اہلحدیث" میں ۴ ستمبر ۴۵ء سے ۳۰ نومبر ۴۵ء تک شائع ہوتا رہا۔

مصنفہ

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب (مولوی فاضل) امرتسری

بفرمائش

ایم رضاء اللہ مہتمم کتب خانہ ثنائیہ و ناشر

ثنائی برقی پریس امرتسر میں باہتمام ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر چھپا

سنہ ۱۹۴۶ء ماہ فروری

۱۳۶۵ھ ربیع الاول

دیباچہ

مولٰنا مودودی سے خطاب

اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۵ء سے مولٰنا مودودی[1] سے خطاب شروع ہوا تھا۔ جو ۳۰ نومبر ۱۹۴۵ء تک جاری رہا۔ ناظرین اہلحدیث نے اس سلسلے کو پسند کر کے فرمائش کی کہ اسکو کتابی شکل میں منتقل کیا جائے۔ چنانچہ اس مضمون کو رسالہ ہذا کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ مولٰنا مودودی کی نسبت ہمارا گمان غالب ہے کہ آپ سر سید احمد خان یا مولوی عبد اللہ چکڑالوی کی طرح حدیث نبوی کے منکر نہیں ہیں۔ البتہ حدیث کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے آپ محدثین کا مسلک اور طریقہ تنقید چھوڑ کر دوسرا طریق اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت ناظرین ان اوراق میں ملاحظہ کرینگے۔

ابوالوفا ثناء اللہ

صفر المظفر ۱۳۶۵ھ — جنوری ۱۹۴۶ء

---

[1] مولٰنا مودودی کا نام سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھا جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ نام ہے یا کنیت بہر حال جو کچھ بھی ہے ترجمہ اس کا ہے اعلیٰ کا باپ۔ سبحان ربی الاعلیٰ کو ملحوظ رکھ کر ہم مولٰنا کو مشورہ دیں تو بیجا نہ ہوگا کہ آپ اس نام کی بجائے ابو العلیٰ تجویز کریں تو مناسب ہے۔

اسکی مثال عیسائیوں میں ایک بڑے پائے کے مصنف گذرے ہیں۔ جن کا نام اکبر مسیح تھا۔ آپ شہر باندہ میں رہتے تھے۔ بڑے ذی علم اور ذی لیاقت تھے۔ عربی انگریزی کے ماہر تھے کئی ایک کتابوں کے مصنف تھے۔ شہر باندہ (یوپی) میں مجھ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا آپ کا نام اکبر مسیح ہے۔ اکبر اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ مسیح کی طرف ترکیب کے لحاظ سے اس کے معنی ہیں مسیح سے بڑا۔ کیا آپ واقعی مسیح سے بڑے ہیں؟ یہ سوال سن کر خاموش ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سوال ان کے کانوں میں پہلی دفعہ آیا ہے۔

ناموں کی اصلاح کرنا حدیثوں سے ثابت ہے۔ منہ

حدیث نبوی پر شکوک اور شبہات

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے خطاب

مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ابتدا سے یہی چلا آیا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث نبوی بھی حجت شرعی ہے۔ خلافت اولیٰ کا انعقاد حدیث الائمة من القریش ہی کی بنا پر ہوا تھا۔ خلافت منعقد ہونے کے بعد سب سے پہلے اہم مسئلہ وراثت نبی علیہ السلام کا پیش ہوا تھا۔ جس میں مدعیہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا تھیں اور خلافت راشدہ مدعا علیہا تھی۔ اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ایک حدیث ہی سے ہوا تھا۔ جس کے الفاظ ہیں۔ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقة (بخاری اصول کلینی حنفیؒ) اس کے بعد تیسرا اہم مسئلہ خلیفۃ المسلمین کے سامنے جیش اسامہ کا پیش آیا تھا۔ یہ بھی حدیث ہی کے ماتحت فیصل ہوا تھا۔ اس کے بعد ہر زمانہ میں حدیث کی حجیت مسلم رہی۔ فرق اتنا رہا کہ کسی گروہ میں روایات غالب رہیں۔ کسی میں استنباط غالب رہا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ امت مسلمہ میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ۔ اس کے بعد بھی امت مسلمہ میں حدیث کی حجیت متوارث چلی آئی۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے شہر علی گڑھ میں سید احمد خان مرحوم پیدا ہوئے۔ انہوں نے حدیث کے متعلق انکاری آواز اٹھائی یعنی یہ کہا کہ بحیثیت حجت شرعی کے قرآن مجید کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی تسلیم کیا کہ روایت کی حیثیت سے صحیح بخاری سب سے اعلیٰ اور مستند ہے۔ اس کے بعد یہ آواز لاہور میں پہنچی۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اس کو قبول کیا۔ اور اس خیال کی اشاعت میں بہت کوشش کی۔ لاہور کے بعد یہ آواز امرتسر میں پہنچی۔ یہاں بھی چند آدمیوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔

جنہوں نے اپنا نام امت مسلمہ رکھا۔ اور کفایت قرآن، اپنا نصب العین قرار دیا۔
ان سب جماعتوں میں وجوہات عدم حجیت حدیث میں بہت سا اختلاف ہے۔ ان
اختلافوں کے متعلق آج ہمارا روئے سخن نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق ہمارے
کئی ایک رسالے (اتباع الرسول۔ دین الفرقان۔ حدیث نبوی اور تقلید شخصی
برہان الحدیث وغیرہ) شائع شدہ ہیں۔

آخری دور میں مولنا مودودی صاحب نے قلم اٹھایا جو پہلی جماعتوں سے
بحیثیت استدلال کسی قدر زیادہ قوی ہے۔ آپ نے بڑی سچائی سے کام لیتے ہوئے
ایک موقعہ پر علم حدیث کو واجب الحق تسلیم کیا۔ ملاحظہ ہو تفہیمات" ص۳۱۱۔ مگر ساتھ
ہی اس کے جب میدان تحقیق میں آئے۔ تو حدیث کے متعلق آپ نے دو شبہات
ایسے پیدا کئے۔ جن کو خیال خود لاینحل سمجھ کر شائع کیا ہے۔ میں نے ان شبہات کو
ان کے خیال میں لاینحل اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے ان شبہات کا جواب نہیں
دیا۔ پہلا شبہ انہوں نے اسماء الرجال کی حیثیت سے کیا۔ آپ کے الفاظ اس بارے
میں یہ ہیں:۔

"محدثین رحمہم اللہ کی خدمات مسلّم۔ یہ بھی مسلّم کہ نقد حدیث کے لئے جو مواد انہوں
نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے
کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیتہً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک
درست ہے۔ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لئے جو حدیں
فطرۃً اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔
انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے
کام محفوظ نہ تھے۔" (تفہیمات ص۳۱۸)

مجیب | مولنا مودودی صاحب نے اس اقتباس میں محدثین کی نسبت جو خیال
ظاہر کیا ہے۔ اسی کو مولنا حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں یوں ادا کیا ہے ؎

گروہ ایک جویا تھا علم نبیؐ کا   لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا

نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون — نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

موصوف کے شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی راوی کی نسبت یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی محدث نے اس کو کہا ہے کیونکہ کئی ایک راوی ایسے ہیں۔ کہ ان کو بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اسی طرح بعض نے ان راویوں کے حق میں اچھے الفاظ کہے اور بعضوں نے بُرے کہے۔ اس لئے کسی راوی کے متعلق کسی جانب یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسا ہی تھا جیسا کہ ہم اس کو سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو اس امر کے فیصلہ کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کے فیصلہ کے لئے میرا اور آپکا وجود ہی مثال کے لئے کافی ہے۔ ہم دونوں کو اچھا کہنے والے بھی ہیں اور بُرا کہنے والے بھی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ایسا اُستاد غالب مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے — ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

تو کیا ایسی صورت میں ثالث بالخیر ہمارے حق میں فیصلہ کر کے صحیح رائے قائم کر سکتا ہے یا نہیں کہ ہم کون ہیں۔ ذرا اور اوپر چلئے۔ مولنا اسماعیل شہیدؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نسبت آراء علماء میں بکثرت اختلاف ہے۔ کیا ان آراء کو سامنے رکھ کر آج تک آپ نے کوئی فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔ ذرا اور اوپر چلئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق امت میں جو اختلاف ہے وہ بھی آپ سے مخفی نہیں کہ وہ خیر الامۃ تھے یا (نعوذ باللہ) فرعون اور ہامان تھے (حیات القلوب شیعہ) کیا اتنے بڑے اختلاف کا فیصلہ بھی آپ نے کبھی کیا ہے یا نہیں۔ ضرور کیا ہوگا۔ اس فیصلہ کی وجوہات کیا ہیں۔ انہی وجوہات سے راویان حدیث کا فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ محدثین نے اس کے متعلق اصول مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اسی لئے محدثین کی بابت مولنا حالی کا یہ کہنا صحیح ہے ؎

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر — گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر

نہ تھا ان کا اصلی نقطۂ نظر دین پہ وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر
برتری میں جو آج فائق ہیں سب سے یہ بتلائیں لبرل بنے ہیں وہ کب سے

(اہلحدیث ۱۴ ستمبر ۱۹۴۲ء)

دوسری قسط

مولانا مودودی صاحب نے اس قسط کو بڑے فخر اور مباہات سے لکھا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہ طریق تنقیح گویا ان کی قابلیت کا خاص طرۂ امتیاز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح سے حدیث کے فن پر سر سید احمد خان مرحوم علیگڑھی نے بھی حملہ نہیں کیا تھا۔ میں موصوف کی اصلی عبارت نقل کر کے اپنے ناظرین کو عموماً اور ممدوح کے ان احباب کو خصوصاً توجہ دلاؤں گا جو حدیث کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ واجب العمل ہے۔ وہ ذرا غور سے ان عبارتوں کو پڑھیں اور سوچیں کہ ع

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

موصوف نے اسماء الرجال (جس کا ذکر پہلے نمبر میں آچکا ہے) کی بحث کے بعد لکھا ہے:

"دوسری اہم چیز سلسلہ اسناد ہے۔ محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے۔ کیا وہ اس کا ہم عصر تھا یا نہیں ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا تو آیا اُس نے یہ خاص حدیث خود اسی سے سُنی یا کسی اور سے سُن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق انہوں نے اسی حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے۔ مگر لازم نہیں کہ ہر ہر روایت کی تحقیق میں یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک ہی معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں وہ درحقیقت منقطع ہو۔ اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روائتیں مرسل یا معضل یا منقطع

ہیں اور اس بناء پر پایۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ اُن میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں۔

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بنا پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابلِ اعتماد ضرور ہے کہ سنتِ نبوی اور آثارِ صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔" (تفہیمات ص۳۲۱ و ص۳۲۲)

عجیب مولانا مودودی صاحب! قاضی کبیر (سیشن جج) کسی خون کے مقدمہ میں دو تین آدمیوں کی شہادت سے جس کو اس نے جانچ لیا ہو۔ قاتل سے قصاص کا حکم دے یا چور کی چوری پر نصاب شہادت پاکر ہاتھ کاٹنے کا حکم دے یا زانی کے فعل پر نصاب شہادت پاکر زنا کی سزا دے۔ تو کیا آپ کے پیدا کردہ احتمالات ان مقدمات اور ان جیسے اور خطرناک مقدمات پر حاوی ہونگے یا نہیں۔ آپ بذاتِ خود قاضی کبیر کے عہدہ پر فائز ہو جائیں تو کسی چور یا کسی زانی یا کسی قاتل کو شرعی سزا دیں گے یا ہر شہادت پر یہی احتمال پیدا کریں گے۔ میرا گمان ہے اگر ہر شہادت پر آپ یہی گمان پیدا کریں گے تو حکومت اعلیٰ کی طرف سے آپ جلد اس عہدے سے سبکدوش کر دیئے جائیں گے۔

مولانا! میں نے جو مثالیں پیش کی ہیں یہ شرعی مقدمات کی ہیں۔ انہیں شہادتوں کا نصاب بھی قرآن شریف نے مقرر کیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا بھی حکم دیا ہے انہی نصوص قرآنیہ کی بنا پر محدثین۔ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے قواعد روایت کو استنباط کیا ہے۔ آپ نے جو احتمالات پیدا کئے ہیں۔ ایسے احتمالات شاعروں نے بھی بتائے ہیں۔ جو کہتے ہیں ؎

پیغامبر رقیب بنے یہ خبر نہ تھی   دنیا کے کاروبار ہیں سب اعتبار پر

مگر آپ جانتے ہیں کلام شعری اور ہے کلام خطابی اور ہے۔ محدثین نے معاصرت

کی روایت کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ ان کی ملاقات ہو چکی ہو۔ اس کا ثبوت ان کو کسی روایت میں مل جائے تو وہ ساری روائتوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ثبوت ملاقات کے لئے ان کے اصطلاحی الفاظ اخبرنا حدثنا ہوتے ہیں۔ اگر کسی ایک روایت میں یہ الفاظ مل جائیں تو باقی کے لئے کافی ہیں۔ اس کی مثال آپکو علم معانی بیان میں یوں ملیگی۔ کوئی شاعر سارے قصیدے میں افعال کو زمانہ اور افلاک کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے ؎

اشاب الصغیر و افنی الکبیر   کرّ الغداۃ و مرّ العشی

سارے قصیدے میں اس قسم کی نسبتیں زمانہ کی طرف کرتا ہے مگر اخیر جا کر ایک مصرع یہ بھی ملتا ہے ؏

وقیل اللّٰہ للشمس اطلعی

یعنی خدا سورج کو چڑھنے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر صاحب مطول اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔ اگر آخری مصرع یہ نہ ہوتا تو شاعر کو دہریہ کہا جاتا۔ اس ایک مصرع نے بلکہ ایک لفظ نے شاعر کو دہریت کے فتوے سے بچا لیا۔ اردو میں بھی ایک مثال سُناؤں تو مفید ہوگی۔ مولنا حالی مرحوم مسلمان تھے اور موحد مسلمان۔ حالانکہ آپ افعال کی نسبت زمانہ کی طرف کر رہے ہیں جو دہریوں کا طریقہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

کیا گر حکومت نے تم سے کنارا   تو اس میں نہ تھا کچھ تمہارا اجارا
زمانہ کی گردش سے ہے کس کو چارا   کبھی یاں ہے بہمن کبھی یاں ہے دارا

ایسی نسبتیں کرنے والے کو بھی دہریت سے محفوظ رکھ کر خدا کا قائل سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اسی مسدس کے ایک مصرع میں خدا کا نام یوں لیتا ہے ؎

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی   جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی

بس یہی ہے اصول کلام جو ہر قوم میں اور ہر ایک جماعت میں بلکہ ہر اہل علم کے نزدیک مسلم اور مقبول ہے۔ جسے آپ نے کمزور سمجھ کر ٹال دیا۔ آپ نے متصل اور منقطع حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے

مولٰنا! آپ کو کبھی دنیاوی عدالتوں میں جانے کا اتفاق ہُوا ہوگا یا واقعات آپ نے سنے ہونگے کہ عدالت شرعی میں ایک شخص شہادت دے کہ زید نے عمر کا گھر دینا ہے۔ عدالت پوچھے تمہیں یہ علم کیسے ہُوا وہ کہے میرے سامنے رو پیہ دیا گیا دوسرا گواہ یہ شہادت دے کہ میں نے کسی آدمی سے ایسا سُنا تھا۔ آپ بحیثیت قاضی ہونے کے فیصلہ دیں کہ یہ شہادتیں شرعی صورت میں ایک سی ہیں یا کچھ فرق رکھتی ہیں۔ آپ کے جواب کا مجھے انتظار رہیگا[1]۔ خدا جزائے خیر دے محدثین کو جنہوں نے قواعد ضوابط روایات کو قرآن شریف ہی سے استنباط کیا ہے۔ اور پھر ایک ایک روایت کو ان قواعد سے جانچا ہے۔ مولٰنا حالی مرحوم نے محدثین کے حق میں بالکل صحیح لکھا ہے ؎

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو | اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سُنا خازنِ علم دیں جس بشر کو | لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر | دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر

پس آپ کا یہ کہنا کہ اسناد اور جرح تعدیل کے علم کو کلیتہً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا؟ یہ معنی رکھتا ہے کہ دنیا کی عدالتیں چاہے طاغوتی ہوں یا شرعی بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ ان کے فیصلے صحیح سمجھے جانے کے لائق نہیں ہیں۔ پس آئندہ کو آپ ایک سلسلہ مضمون یہ بھی شروع کریں کہ دنیا کی کسی عدالت کا فیصلہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ مگر صرف یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا۔ بلکہ قانون شہادت ایک نیا تجویز کرنا ہوگا۔ جس پر یہ شعر صادق آئے گا ؎

نہ پیروئ قیس نہ فرہاد کریں گے | ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

اخیر میں آپ کا یہ کہنا استعجاب سے خالی نہیں ہے کہ

"اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔"

---

[1] یہ انتظار طبع کتاب ہذا تک پورا نہیں ہُوا۔ منہ

استعجاب کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے جو لکھا ہے کہ اس پر بالکلیہ اعتماد نہ کیا جائے وہ باقی حصہ جس کے شامل ہونے سے اس سلسلہ محدثین کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے وہ کیا ہے۔ اگر وہ حصہ وہ ہے جس کو آپ نے مجتہدین کا خاصہ بتایا ہے تو اس کا ذکر مع جواب درج ذیل ہے۔ (اہلحدیث ۲۱ ستمبر ۱۹۴۵ء)

تیسری قسط

مولنٰنا مودودی کی تنقید کو ہم بغور پڑھتے ہیں تو بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے کہ مولنٰنا کا مسلک اعتدال نہیں بلکہ اعتزال ہے۔ اعتزال سے ہماری مراد وہ مصدر نہیں ہے جس سے معتزلہ فرقہ مشتق کیا جاتا ہے۔ بلکہ اصلی معنی میں اعتزال مراد ہے۔ اس لفظ کے معنی علیحدگی کے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں موصوف اپنی تحریرات میں عموماً مرزا صاحب قادیانی کا تتبع کرتے ہیں[1]۔ یعنی جس طرح مرزا صاحب قادیانی اپنی تحریرات میں کسی فن کی اصطلاحات کے پابند نہیں رہتے۔ اسی طرح ہمارے مخاطب مولنٰنا مودودی صاحب بھی اصطلاحات سابقہ کے پابند نہیں رہتے۔ بلکہ بزبان حال کہتے ہیں ؎

کوئے جاناں سے خاک لائیں گے اپنا صومعہ نیا بنائیں گے

آج ہم اس دعوے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ مولنٰنا موصوف لکھتے ہیں:۔

"محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا۔ اس لئے ان پر اخباری نقطۂ نظر غالب ہو گیا تھا۔ اور وہ روایات کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں۔ رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو وہ ان کے موضوعِ خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی

---

[1] یہ تشبیہ قادیانی تتبع میں ہے قادیانی مذہب میں نہیں۔ منہ

نگاہ ڈالتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کوانہوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں۔ اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں۔ حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں کہ مثالیں دیکر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے۔ مگر جو لوگ امورِ شریعت میں نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے اور محدثین کرام صحیح احادیث سے بھی احکام و مسائل کے استنباط میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں جو فقہاء مجتہدین نے رکھا ہے " (تفہیمات ۳۲۳)

عجیب یہ اقتباس ہم کو دو باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔ ایک یہ کہ فقہ اور حدیث الگ الگ دو چیزیں ہیں۔ اس کی فرع یہ ہے کہ فقیہانہ نظر اور محدثانہ نظر بھی الگ الگ ہے۔ اس موقع پر مولانا موصوف کو چاہئے تھا۔ اپنی منظور نظر فقہ کی جامع مانع تعریف کر دیتے۔ اگر ان کی نظر میں وہی تعریف صحیح ہے جو فقہاء کرام نے خود کی ہوئی ہے۔ اسے تو ہم محدثانہ روش کے خلاف نہیں پاتے۔ وہ تعریف صاحب توضیح کے الفاظ میں یہ ہے :-

هو العلم بالاحكام الشرعية ـ العملية من ادلتها التفصيلية

یعنی جو مسائل قرآن و حدیث سے ۔ ستنباط کئے جائیں۔ ان کو جاننا علم فقہ ہے۔ اب تعریف کے مطابق آیئے ہم صحیح بخاری کا مطالعہ کریں اور اس مطالعہ میں ہم مدرسہ دیوبند، مدرسہ رحمانیہ دہلی، مدرسہ ابر یا سرائے اور مدرسہ عمر آباد مدراس وغیرہ کے شیوخ حدیث کو یکجا جمع کر کے تکلیف دیں کہ وہ بعد غور و فکر ہمیں بتائیں کہ امام بخاریؒ نے احادیث کو محض اسناد کی رُو سے جمع کیا ہے یا فقیہانہ نظر سے بھی ان سے کام لیا ہے۔ امام ممدوح کی "صحیح" سے ہم ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ آنحضرت علیہ السلام فوت ہوئے۔ تو آپ کی زرہ گروی تھی۔ اس حدیث کو

امام بخاریؒ تقریباً بیس بائیس جگہ لائے ہیں۔ اگر ان کی نظر صرف اسناد پر ہوتی تو ایک دفعہ روایت کر دینا کافی تھا۔ پھر یہ تعدد روایت فقیہانہ نقطہ نظر سے پیدا ہوا۔ امام بخاریؒ کی روشن بتاتی ہے کہ ممدوح نہ صرف خود محدث اور فقیہ تھے بلکہ طالب علموں کے لئے فقیہ گر تھے۔ جزاہ اللہ عنا وعن سائر الطالبین۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ سند حدیث کی روح ہے۔ بلکہ محدثین کی اصطلاح میں سند ہی حدیث ہے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے۔ اگر سند حدیث کی ضرورت نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ لیتا۔ اس موقعہ پر مجھے حضرت ابو الاستاد مولانا ذوالفقار علی مرحوم (مترجم حماسہ) کا شعر یاد آگیا۔ جو انہوں نے علم حدیث کی تعریف میں کہا ہوا ہے ؎

العلم ما كان فيه قال حدثنا
وما سوىٰ ذاك وسواس الشياطين

(ترجمہ) پختہ علم وہی ہے جس میں حدثنا کی سند ہو باقی مشکوک ہے۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ محدثین فقیہانہ نظر سے خالی تھے۔ یہ بات بھی طرداً للباب (چلتے چلتے) ظاہر کر دوں تو بے جا نہ ہوگا کہ فقہ اور فقیہانہ نظر دو قسم پر ہے اس کو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے واضح طور پر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-
ایک فقہ تو وہ تھی جو قرآن و حدیث سے استنباط کی جاتی تھی۔ دوسری وہ کہ متاخرین فقہاء نے سابقین فقہاء کے اقوال کو اصل قرار دیکر ان سے مسائل استخراج کرنے شروع کئے۔ اس قسم کے مسائل کا مجموعہ فقہ قسم ثانی ہے۔"
جب میں صحیح بخاری کو پڑھتا ہوں تو ممدوح کی اصل نظر قرآن و حدیث پر پاتا ہوں۔ مگر کاہے بگاہے صحابہ اور تابعین وغیرہ کے اقوال کو پیش کر کے بھی استخراج کر لیا کرتے ہیں۔ گو ان کے اور سب محدثین کے نزدیک حجت شرعیہ فقہ قسم اول ہی ہے اور فقہ قسم ثانی مع اس کے ماخذوں کے ان کے نزدیک حجت شرعیہ ملزمہ نہیں بلکہ حجت اقناعیہ ہے۔ اس لئے کہ ان کا اصول ہے قول الصحابی لیس بحجۃ۔

ہاں اعتدال کا مسلک چھوٹ نہ جائے۔ اس لئے ہیں یہ کہنے سے نہیں رُک سکتا کہ محدثین میں ایسے حضرات بھی ہیں جن کی اصل غرض روایات جمع کرنا ہی ہے۔ فقیہانہ استنباط ان کے مقصد کے علاوہ ہے۔ مگر اجنبی اور غیر نہیں۔ اس کی مثال صحیح مسلم ہمارے سامنے موجود ہے۔ جو ایک ہی حدیث کو تحویلات کرکے مختلف سندوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ بعض اسناد میں اتنا باریک فرق ہوتا ہے جس کو واؤ اور فاء کا فرق کہنا چاہیئے۔ تیسری کتاب ہمارے سامنے صحیح ترمذی ہے اسکی روش ہی نرالی ہے۔ وہ مثل امام بخاری کے استنباطی تراجم مقرر نہیں کرتے بلکہ عموماً ہر باب کے اخیر فقہاء اسلام کے اقوال نقل کر دیتے ہیں۔ جس سے مقصد ان کا یہ ہے کہ ذخیرہ معلومات جمع کر کے طلباء کے سامنے رکھا جائے (جزاھم اللہ عنا) اسی طرح دیگر کتب احادیث میں ہم کو محدثانہ اور فقیہانہ نظریں ملتی ہیں۔ یہ تو فقہ اپنی پرانی تعریف کے مطابق ہے۔ جس کو ہم نے کتاب توضیح سے نقل کیا ہے۔ اگر فقہ کی کوئی جدید تعریف مودودی صاحب کی نظر میں ہے، تو ہم اس کو سننے کے متمنی ہیں۔ آپ نے اسی اقتباس میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا ہے :۔

ایک روایت کو انہوں (محدثین رحہم اللہ) نے صحیح قرار دیا ہے۔ حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں (حوالہ مذکور)

ہم قصور علم کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم اس فقرہ کو نہیں سمجھے کہ معنی سے آپ کی مراد کیا ہے لفظی ترجمہ ہے یا کچھ اور۔ اور اس کی مثال کونسی حدیث ہے جو سند کے لحاظ سے محدثین کے نزدیک صحیح ہو اور معنی کے لحاظ سے فقہاء کے نزدیک اعتبار کے قابل نہ ہو۔ آپ کی رفع تکلیف کے لئے میں خود ہی ایک حدیث پیش کئے دیتا ہوں۔ جس کو بعض فقہاء نے خلاف قیاس کہہ کر نظر انداز کیا ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص گائے یا بھینس مصراۃ[1] خریدے اس کا دودھ کم پائے اور اسکو واپس کرنا چاہے تو ایک صاع غلہ یا کھجوروں کا ساتھ دے۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث

[1] وہ گائے یا بھینس جس کو فروخت کرنے کے لئے دودھ پہلے سے روکا جائے۔

قیاس کے خلاف ہے۔ محدث اس کے جواب میں کہتا ہے۔ یہ قیاس اصطلاحی نہیں ہے بلکہ آپ کی ذاتی رائے ہے۔ جو ایک معنی سے حدیث کا مقابلہ ہے۔ اب میں مولنا مودودی اور ناظرین کو بالائی منزل میں لے جانا چاہتا ہوں۔ پس ناظرین غور سے سنیں۔

محدثین سند حدیث کے ذریعہ سے متن حدیث کو لے کر گویا دربار رسالت میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے وہ گویا رسالت کی زبان مبارک سے الفاظ حدیث سن لیتے ہیں۔ اس لئے ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ہمارا فہم یا قیاس اس متن حدیث کے مخالف ہے یا موافق۔ وہ زبان اور دل کے اتفاق سے کہتے ہیں سمعنا واطعنا۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ ورد ہوتا ہے ؎

ہوتے ہوئے مصطفٰےؐ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و کردار

جب اصل ملے تو نقل کیا ہے یہاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے

(اہلحدیث ۲۸ ستمبر ۱۹۴۵ء)

چوتھی قسط

ہم خوش ہیں کہ مولنا مودودی نے اپنا عقیدہ اور مسلک مندرجہ ذیل الفاظ میں صاف صاف بتا دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اس بحث سے یہ بات معلوم ہو گئی۔ کہ جس طرح حدیث کو بالکلیہ رد کر دینے والے غلطی پر ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی غلطی سے محفوظ نہیں ہیں جنہوں نے حدیث سے استفادہ کرنے میں صرف روایات ہی پر اعتماد کر لیا ہے۔ مسلک حق ان دونوں کے درمیان ہے اور یہ وہی مسلک ہے جو ائمہ مجتہدین نے اختیار

لہ ہندوستان کے قائلین حدیث خصوصاً اصحاب الحدیث مولنا مودودی صاحب کے اس فقرہ کو غور سے پڑھیں اور ہمیشہ کے لئے ملحوظ رکھیں۔ تاکہ گفتگو کرتے وقت ان کو یہ فقرہ کام آئے۔ (مجیب)

کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں، یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے، یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں[1]۔ یہی حال امام مالکؒ کا ہے۔ باوجودیکہ اخباری نقطۂ نظر ان پر زیادہ غالب ہے مگر پھر بھی ان کے تفقہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتویٰ دینے پر مجبور کیا۔ جنہیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لیثؒ بن سعد نے اُن کی فقہ سے تقریباً ۷۰ مسئلے ایسے نکالے ہیں۔ امام شافعی کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔"

(تفہیمات صفحہ ۳۲۲ و ۳۲۳)

مجیب | اصل بات پر مولانا مودودی نے غور نہیں کیا یا ان کو سہو ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ مرسل حدیث کو ضعیف نہیں کہتے۔ دوسرے محدثینؒ اس کو ضعیف ناقابل حجت کہتے ہیں۔ محدثینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث مرسل میں صحابی کا نام متروک ہو جانے سے سلسلہ اسناد منقطع ہو گیا۔ اور شبہ پیدا ہو گیا کہ صحابی کے سوا کوئی اور راوی بھی نہ چھوٹ گیا ہو۔ اس لئے یہ سند کالعدم سمجھی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ تابعی نے جو صحابی کو چھوڑ کر آنحضرت علیہ السلام کے نام سے روایت کیا ہے۔ یہ اس کا کمال اعتماد ہے۔ اس لئے سند میں خلل نہیں سمجھنا چاہئے۔ مولانا مودودی کے قابل غور ایک نکتہ ہے۔ اگر غور کریں گے تو اس کا فیصلہ وہ خود ہی فرما دیں گے وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ محدثین نے جن راویوں کی نسبت اچھی یا بُری رائیں لکھی

---

[1] جناب کے علم و دیانت کا تقاضا کیا کہتا ہے؟ ہم اپنے علم و دیانت کا تقاضا اس مصرع میں ظاہر کر دیتے ہیں ؎

عالم بجنت یک طرف آں شوخ تنہا یک طرف (مجیب)

تھے۔ ان کی محنت قابل شکریہ ہے۔ لیکن بشریت سے وہ بھی خالی نہ تھے۔ ممکن ہے
ان روایتوں میں ان سے غلطی ہو گئی ہو۔ اس بنا پر میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ جس
صورت میں آپ محدثین کی کمل رائے کے متعلق غلطی کا امکان بتاتے ہیں۔ اگر
وہ محدث کسی راوی کا نام ہی نہ لے جیسے مرسل کی صورت میں ہوتا ہے۔ تو
اس صورت میں یہ امکان ڈبل امکان ہو جائے گا یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
محدثین مرسل کو صحیح نہیں مانتے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ اس کو قابل استناد
جانتے ہیں۔ یہ اختلاف دراصل ایک اصولی اختلاف ہے۔ اس کی مثال میں
آپ کو بتاؤں تو مفید ہوگی۔ بعض علماء کے نزدیک مفہوم مخالف حجت ہے
اور بعض کے نزدیک نہیں۔ مفہوم مخالف کسے کہتے ہیں؟ کسی اسم یا فعل کو
مقید بالصفت کر کے حکم لگایا جائے تو بعض علماء عدم وصف کے وقت اُس
پر حکم نہیں لگاتے۔ بعض پھر بھی لگا دیتے ہیں۔ مثلاً آیت کریمہ وَرَبَائِبُكُمُ
اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم یعنی تمہاری ربیبہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش
پاتی ہیں وہ تم پر حرام ہیں۔ بعض اکابر نے اس کے مفہوم مخالف کو سند
لے کر جوان ربیبہ سے نکاح کا فتویٰ دیدیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر معالم وغیرہ مگر
جمہور علماء عدم جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ مفہوم مخالف ان کے ہاں حجت نہیں۔
پس یہ ایک اصولی اختلاف ہے۔ اسی طرح مرسل کا حجت ہونا یا نہ ہونا اصولی
اختلاف ہے۔ یہ نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث کی صحت میں سند کی ضرورت
نہیں سمجھتے تھے۔ نہ یہ ہے کہ سند کو کافی نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح امام شافعی
اور امام مالک رحمہا اللہ بھی کسی حدیث کو بلا سند صحیح نہیں کہتے تھے۔ مولانا
مودودی صاحب کو اگر اس پر اصرار ہے تو وہ چند حدیثیں بطور مثال ہم کو بتائیں
جن کو ان حضرات نے سند کے لحاظ سے نہیں بلکہ فقیہانہ نظر سے صحیح مانا ہو۔

اولئك آبائي فجئني بمثلهم
اذا جمعتنا يا جرير المجامع

لیث بن سعد کے جن ستر مسائل کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کو آپ پیش کریں گے تو ہم بھی غور کریں گے۔ ان کو حدیث سے ماخوذ بتائیں گے یا حتوک میٹرائیں گے لیکن یہ سب کچھ مسائل مذکورہ پیش ہونے پر ہوگا۔ سنی سنائی بات پر نہیں۔ امام مالکؒ کا موطا ہمارے اور آپ کے سامنے ہے کھول کر ان مسائل کا حوالہ دیجئے ؎

اپنا تو یہ ہے قول آئیے ہیں آئیے
دعویٰ اگر کیا ہے تو کچھ کر دکھائیے

(اہلحدیث ۵-اکتوبر ۱۹۶۷ء)

پانچویں قسط

مولانا مودودی نے کھلے لفظوں میں حجیت حدیث سے تو انکار نہیں کیا نہ ہم ان کو کھلے منکر حدیث سمجھتے ہیں اور نہ کہتے ہیں۔ اسی لئے سلسلہ ہذا کی پہلی قسط میں ہم نے ان کی بابت بتصریح لکھ دیا تھا کہ ۔

مولانا مودودی صاحب نے بڑی سچائی سے کام لیتے ہوئے ایک موقع پر علم حدیث کو واجب العمل تسلیم کیا ہے۔ تفہیمات ص۳۱۶۔ (اہلحدیث ۱۴ ستمبر ۱۹۶۷ء ص۳)

چونکہ ان کے شبہات سے منکرین حدیث کو قوت پہنچتی ہے لہذا یہ قوت شدید انکار کا موجب ہوتی ہے۔ لہذا یہ نسبت مجازی اسی قسم سے ہے۔ جس قسم سے آیت کریمہ کے الفاظ ہیں۔

كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ۔ فاندفع ما اوردہ ما کادیرد

مولانا مودودی کے شبہات کو ہم نے موجب قوت منکرین حدیث کہا ہے۔ اس کا ثبوت ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں۔

"معاذ اللہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ لوگ کسی حدیث کو حدیث صحیح جان کر اس سے انحراف کرتے تھے۔ نہیں بلکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ ان کے نزدیک صحت حدیث کا مدار صرف اسناد پر نہ تھا۔ بلکہ اسناد کے

علاوہ ایک اور کسوٹی بھی تھی جس پر وہ احادیث کو پرکھتے تھے اور جس حدیث کے متعلق ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ یہ حقیقت سے اقرب ہے اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ خواہ وہ خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے مرجوح ہی کیوں نہ ہو۔" (تفہیمات صفحہ ۳۲۳)

مجیب اس اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین اور مجتہدین کے مسلک الگ الگ ہیں۔ بعض احادیث محدثین کے نزدیک بنظر سند ضعیف ہوتی ہیں مگر مجتہدین بنظر فقاہت انہی کو راجح قرار دیکر ان پر عمل کرتے اور کراتے ہیں۔ اسی کا عکس القضیہ یہ ہے کہ محدثین بعض احادیث بنظر سند صحیح سمجھتے ہوں گے اور مجتہدین بنظر فقاہت ان کو غلط قرار دے کر رد کر دیتے ہونگے۔ اسی کی مزید تشریح مندرجہ ذیل اقتباس میں ملتی ہے:۔

"یہ دوسری کسوٹی کونسی ہے؟ ہم اس سے پہلے بھی اشارۃً اس کا ذکر کئی مرتبہ کر چکے ہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالےٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرتِ رسولؐ کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے اس کی نظر بہ حیثیت مجموعی شریعتِ حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے۔ اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے۔ اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کا ذوق اسے بتادیتا ہے کہ کونسی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کونسی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی رد و قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین ذات نبوی کا مزاج ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ

تضعایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کونسا قول یا کونسا فعل میری سرکار کا ہو سکتا ہے۔ اور کونسی چیز سنتِ نبوی سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی۔ ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح روحِ محمدی میں گم اور اس کی نظر بصیرتِ نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اسی طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے۔ اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے۔ مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جامِ زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔" (تفہیمات صفحہ ۳۲۳ و ۳۲۴)

عجیب اس اقتباس میں الفاظ کی بھرمار سے مرزا غالب کا یہ شعر بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے ؎ ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی

عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لئے

ان دونوں اقتباسوں کو ملحوظ رکھ کر ہم قائلین حدیث سے عموماً اور اعیان اہلِ حدیث سے خصوصاً پوچھتے ہیں کہ اصول حدیث کی کتابوں میں کوئی اصل اور قاعدہ ان معنی کا بھی ملتا ہے۔ اگر ملتا ہے۔ تو پتہ بتائیں۔ نہ ملتا ہو تو مولانا مودودی سے پوچھیں کہ یہ جوہرِ بے بہا آپ نے کہاں سے پایا۔ اور یہ بھی

سوال کرتی ہے کہ اس قسم کا مجموعہ احادیث جو محدثین اور مجتہدین کے اختلاف مسالک کی وجہ سلسلہ وار مگ ظہور میں آیا وہ کہاں ملتا ہے مکتب خانہ رام پور کی مطبوعہ کتابوں میں ہے یا باکی پورکی قلمی کتابوں میں ہم اس کے متلاشی ہیں۔ اگر چہ چل جائے کہ منتہا کے مجموعہ نیلے میں ہیں ہے تو ہم وہاں بھی پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ہمارا شوق وہی ہے جو مولنا حالی مرحوم نے محدثین کا جتایا ہے ؎

سنا خادن علم دیں جس بشر کو
لیا اُس سے جا کر خبر اور اثر کو

ناظرین! مولنا مودودی کا جولان قلم ملاحظہ کیجئے کہ مذکورہ بالا بجز وما اقتباس کا رد گویا آپ خود ہی فرماتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کے الفاظ یہ ہیں ؎

"یہ چیز چونکہ سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آئی نہ آسکتی ہے اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گی۔ چنانچہ اسی وجہ سے آئمہ مجتہدین کے درمیان جزئیات میں بکثرت اختلافات ہوئے ہیں۔ پھر یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ایک شخص کا ذوق لامحالہ دوسرے شخص کے ذوق سے کلیتہً مطابق ہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسلک کے ائمہ نے بہت سے مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے اقوال میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ اس کی ایک روشن مثال ہیں" (تفہیمات صفحہ ۳۲۲)

عجیب! ہم نے جو کہا ہے کہ یہ اقتباس پہلے دو اقتباسوں کا رد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہدین کے اختلاف مذاہب کا فیصلہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ان کے اپنے اختلاف ذوق پر مبنی ہے۔ اس لئے نہ کوئی حنفی شافعی کو اور نہ شافعی حنفی کو کہہ سکتا ہے کہ تمہارا فلاں مسئلہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ جواب میں کہہ دے گا میرے امام کا ذوق سلیم یہی کہتا ہے۔ جو میں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ ذوقی اختلاف گویا اس شعر کا مصداق ہوا ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلیٰ   نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

نوٹ | مولانا مودودی کے ان اقتباسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ کا بہت سے مسائل میں روایات کے متعلق یہ کہنا ھو حجۃ علی الشافعی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں مجتہدوں کا ذوق الگ الگ ہے۔ پھر ایک کی روایت دوسرے پر حجت کیسی۔ بلکہ اس شعر کی مصداق ہوئی ؎

نہ وہ میری مانے نہ میں ناصحوں کی
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا

(اہلحدیث ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

چھٹی قسط

گزشتہ نمبر میں یعنی اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ بقول مولانا مودودی ہر امام اور فقیہ کا ذوق الگ الگ تھا۔ خصوصاً آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کا ذوق بالکل جدا جدا تھا۔ ہر امام اپنے ذوق کے مطابق فتویٰ دیتا تھا۔ اس کے آگے مولانا فرماتے ہیں :۔

"پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مجتہد کا ذوق ہر مسئلہ میں صواب ہی کو پہنچ جائے انسان بہرحال لغزشوں کا مجموعہ ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا مجتہد بھی غلطی کر سکتا ہے۔ اور کر جاتا ہے۔ اسی بنا پر ائمہ مجتہدین ہمیشہ ڈرتے رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ ہم پر بالکل اعتماد نہ کر لو۔ خود بھی تحقیق کرتے رہو اور جب کوئی سنت ہمارے قول کے خلاف ثابت ہو جائے تو ہمارے قول کو رد کر کے سنت کی پیروی کرو۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لا یحل لاحد ان یقول مقالتنا حتی یعلم من این قلنا۔ امام زفرؒ کا قول ہے انما ناخذ بالرائی مالم نجد الاثر فاذا جاء الاثر ترکنا الرائی و اخذنا بالاثر۔ امام مالکؒ کا ارشاد ہے انما انا بشر اخطی و اصیب فانظروا فی رائی فکلما و افق الکتاب

والسنة فخذوه وكلما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه ۔ امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اذا صح الحدیث فاضربوا بقولی الحائط اور لا قول لاحد مع سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ فرض یہ تمام ائمہ بالاجماع کہتے ہیں کہ جب شخص پر کسی مسئلہ میں سنت رسول روشن ہو جائے۔ اس کے لئے پھر کسی دوسرے شخص کا قول لینا حرام ہے خواہ وہ کیسے ہی بڑے مرتبہ کا شخص ہو۔ (تفہیمات ص۲۲۲)

مجیب اس اقتباس کو میں نے غور سے پڑھا۔ تو میں اپنی سمجھ ناقص کے مطابق اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ مقولہ لکھتے ہوئے کتاب معیار الحق (مصنفہ حضرت مولانا شمس العلماء نذیر حسین المعروف میاں صاحب مرحوم مغفور) مولانا مودودی کے زیر نظر ہوگی۔ کیونکہ یہ مضمون معیار الحق کا گویا خلاصہ ہے۔ اور اس اقتباس کا خلاصہ یہ اشعار ہیں سے

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے	دُر دانۂ دُرج مصطفیٰ ہے
صوفی و عالم و حکیم دینی	کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا	جس نے پایا یہیں سے پایا
گو غوث و قطب و مقتدا ہے	وہ بھی اسی در کا اک گدا ہے
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے	یاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے
ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار	مت دیکھ کسی کا قول و کردار

یہی وہ مسلک ہے جس کو لے کر خالص اہل حدیث اُٹھے تھے اور اب تک بفضلِ خدا اسی پر قائم ہیں۔ اس لئے اس اقتباس کی روشنی میں اہل حدیث آپ سے معانقہ کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتے ہیں سے

رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی

مولانا! اجازت دیں تو چلتے چلتے ایک بات دریافت کرلیں۔ ہم آپ کے

پہلے اقتباسوں میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ فقہاء اور محدثین میں مسلک کا اختلاف تھا بعض زوائد احادیث کو محدث اسناد کی نظر سے ضعیف (دیا موضوع) کہہ دیتے تھے مگر فقیہ فقیہانہ نظر سے ان کو صحیح سمجھ کر ان پر عمل کر لیتے تھے۔ اس موقع پر میں اپنے قصور علم کا اعتراف کر کے یہ پوچھتا ہوں کہ چاروں مجتہدین کا ذوق تو آپ نے فرما دیا کہ الگ الگ تھا اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے ہر ایک مسئلہ کا صحیح ہونا ضروری نہیں تھا۔ اس لئے وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مسائل کو سنت مطہرہ پر جانچ کر قبول کیا کرو۔ جزاک اللہ! ع

اے وقت تو خوش باد کہ وقت ما خوش کردی

پس میں پوچھتا ہوں کہ مولانا وہ سنت مطہرہ کی کسوٹی ہمارے پاس کس طریقے سے پہنچے گی۔ اسناد کے ذریعے یا مجتہدوں کے ذوق سلیم کے ذریعہ سے۔ مجتہدین کے ذوق سلیم کو تو آپ سنت مطہرہ کا محتاج مانتے ہیں۔ لیکن سنت مطہرہ کیا چیز ہے اور ہمارے پاس اس کے آنے کا ذریعہ کیا ہے؟ پس یہ عقدہ جس طرح ہو جلدی حل کر دیجئے ع

بس اس جواب پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

مختصر یہ ہے کہ آپ کا اور ہمارا اس امر پر تو اتفاق ثابت ہو گیا کہ آپ مسائل فقہیہ کو محتاج الی القرآن والسنۃ مانتے ہیں۔ مگر اس میں اختلاف ہے (خدا کرے یہ بھی نہ رہے) کہ احادیث کا ذریعہ علم ہمارے نزدیک صرف اسناد ہے۔ اور آپ کے نزدیک مجتہدانہ ذوق بھی ذریعہ علم ہے۔

بس اس مزیت کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ اگر میں کہوں کہ آپ خود ہی اپنے سابقہ دعوے کی تردید اس اقتباس میں فرما چکے ہیں تو غالباً غلط نہ ہوگا

دوسرا اختلاف آپ کا اور ہمارا دوسرا اختلاف اس امر میں ہے کہ آپ ایک طرف احادیث پر عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں (جزاک اللہ) مگر دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ ان پر پورا اعتماد نہیں۔ پس آپ کا ہمارا اختلاف

منطق اصطلاح میں یہ ہے کہ ہم قضیہ مفردیہ مطلقہ موجبہ کے قائل ہیں اور آپ اس کے ساتھ ممکنہ عامہ سالبہ کو بھی ملاتے ہیں۔ جس بارے میں مدارس عربیہ کے علماء اور طلباء جو فیصلہ کر سکتے ہیں کریں۔ جو حضرات مولانا مودودی سے حسن ظن رکھتے ہیں وہ اپنا حسن ظن بحال رکھ کر ہمارے اس اختلاف میں انصاف سے فیصلہ فرمائیں گے تو ہم بھی کر خوش ہونگے۔

تمہیں تقصیر اس بت کی جو ہے میری خطا گئی
مسلمانو! خدا انصاف سے کہیو خدا لگتی

(۱۹-اکتوبر ۱۹۵۶ء)

ساتویں قسط

ساتویں قسط علماء حدیث کے لئے خاص قابل توجہ ہے۔ کیونکہ اس میں مولانا مودودی کا عقیدہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث کو تفسیر قرآن مانتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ باوجود اس کے ہم نے اس نمبر کا اضافہ کیوں کیا۔ اس نمبر میں اس کا جواب دینا ہمارا مقصود ہے۔ پہلے مولانا موصوف کا عقیدہ ان کے الفاظ میں سنئے:۔

"قرآن مجید ہدایت کے لئے کافی ہے۔ اس میں وہ صحیح علم موجود ہے جس کی روشنی میں انسان صراط مستقیم پر چل سکتا ہے۔ اور اس میں وہ تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن پر اللہ کا پسندیدہ دین قائم ہے مگر اس علم سے فائدہ اٹھانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ طالب علم استفادہ کی خاص نیت رکھتا ہو۔ اور ان مبادی سے واقف ہو جو قرآن کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک ماہر فن استاد موجود ہو جو کتاب اللہ کے نکات سمجھائے، آیات کا صحیح معنی و مفہوم بتائے احکام پر خود عمل کر کے دکھائے۔ اور قوانین کو عملی زندگی میں نافذ کر کے ان کا تفصیلی ضابطہ مقرر کر دے۔ پہلی چیز کا تعلق ہر شخص کی اپنی ذات سے

ہے مذہبی دوسری چیز تھی جس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔
کتاب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی غرض سے بھیجا گیا تھا
کہ آپ اس ماہر فن کی ضرورت کو پورا کریں۔ آپ نے اُستاد کی حیثیت
سے جو کچھ بتایا اور سکھایا ہے وہ بھی اسی طرح خدا کی طرف سے ہے۔
اس کو غیر از قرآن کہنا صحیح نہیں ہے۔ جو شخص اس کی ضرورت کا منکر ہے
وہ قرآن کو اس معنی میں کافی کہتا ہے کہ اس کو سمجھنے اور اس کے مطابق
عمل کرنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی علمی وعملی ہدایت کی حاجت
نہیں ہے۔ وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ صرف قرآن کی تنزیل کافی تھی۔ خدا
تعالیٰ نے نعوذ باللہ یہ فعل عبث کیا کہ اس کے ساتھ رسول کو بھی
مبعوث کیا۔" (تفہیمات صفحہ ۳۲۳)

عجیب ناظرین کرام! بالفاظ مولانا مودودی منکرین حدیث کے اس فقرہ کو
حیرت کی نظر سے دیکھیں گے اور تعجب کے کانوں سے سنیں گے کہ موصوف نے
یہ کیا فرمایا ہے کہ
خدا نے نعوذ باللہ یہ فعل عبث کیا کہ اس کے ساتھ رسول کو بھی مبعوث کیا

عجیب منکرین حدیث اس کے جواب میں کہیں گے کہ رسول کے معنی ہی ہیں پیغام
پہنچانے والا۔ رسول کی دلالت قرآن پر دلالت تضمنی ہے۔ ایک کا مفہوم دوسرے
سے الگ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ پیغام پہنچے اور پیغام رساں
نہ پہنچے۔ خیر یہ تو آپ کا اور اہل قرآن کا باہمی مکالمہ ہوگا۔ ہم نے جو آپ کا
مطلب سمجھا ہے اس کے متعلق اپنا ما فی الضمیر عرض کرتے ہیں۔ آپ کے
اس اقتباس کا مطلب ہم سمجھا اور صحیح ہے کہ قرآن متن ہے مثل کافیہ کے اور
احادیث نبویہ اس کی تفسیر ہیں مثل شرح جامی کے۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے
سے الگ نہیں ہو سکتے۔ بالکل سچ ہے جزاک اللہ! آپ نے خوب کہا مگر قد
بقی الخبایا فی الزوایا ابھی بہت کچھ مخفی ہے۔

اوّل - قرآن مجید کی یہ آیت ہے :-

وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

(تمہاری دودھ بہنیں تم پر حرام ہیں)

اس آیت کی یہ تفسیر تو بالکل صاف ہے کہ ایک لڑکے نے کسی عورت کی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا وہ اس کی ہمشیرہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے - مگر اس لڑکی کی حقیقی خالہ اس لڑکے پر اس رضاعت کی وجہ سے حسب تفسیر آیت کے حرام نہ ہونی چاہئے - حالانکہ حدیث کی رو سے حرام ہے -

علیٰ ہذا القیاس کسی لڑکی نے کسی لڑکے کے ساتھ مل کر دودھ پیا تو وہ لڑکی اس رضیع کے حق میں اس آیت کی تفسیر میں آجائے گی - مگر اس لڑکے کے والد چچا اور ماموں کا رشتہ اس لڑکی کے ساتھ کیوں حرام ہوگا ؟ کیونکہ تفسیر میں وہ چیز داخل ہوتی ہے جس کو متن کا لفظ متحمل ہو مثال کے لئے کافیہ کی عبارت پیش کرتا ہوں یعنی لفظ وضع لمعنی مفرد - شارح جامی نے اس عبارت میں مفرد کو مرفوع اور مجرور بنا کر بلا کھٹکا تشریح کر دی - لیکن مفرداً (منصوب) کی حالت نصب میں جب تشریح کرنی چاہی تو کھٹکا ہوا کہ اس پر نصب کی علامت نہیں ہے - اس لئے اس تیسری ترکیب کو معذرت کر کے داخل کیا - مجرور اور مرفوع کے لئے کوئی معذرت نہیں کی - کیونکہ ان دونو ترکیبوں کے لئے مفرد متحمل تھا -

مختصر یہ ہے کہ متن متحمل ہو تو شرح اس کو کھول سکتی ہے غیر جنس کو شرح داخل نہیں کر سکتی - فافہم لعلّہ دقیق -

مذکورہ بالا رشتے ایک مرفوع حدیث کے ماتحت بھی حرام ہیں - چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب (دودھ سے مثل نسب کے حرمت ثابت ہوتی ہے) فرمائیے یہ حدیث آیت مذکورہ کی تفسیر ہے یا حکم جدید ؟ بینوا توجروا -

دوم آیت کریمہ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں

جمع کرنا حرام ہے۔ صدق اللہ۔ آپ کے قابلِ غور سوال یہ ہے کہ اخت کا لفظ پھوپھی اور خالہ کو شامل نہیں۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ کسی منکوحہ لڑکی کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی منکوحہ کو اس کی خالہ کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔ کیا یہ اس آیت کی تفسیر ہے یا حکم جدید۔

سوم۔ آیت کریمہ الزانیۃ والزانی (سورہ نور) اس آیت میں زانی مرد۔ عورت کی سزا سو درے (بید شدید) آئی ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ جس مرد اور عورت نے ایک دفعہ نکاح کر لیا ہو۔ پھر ان سے زنا کا فعل صادر ہو۔ تو ان کی سزا رجم (پتھراؤ) ہے۔ کیا یہ اس آیت کی تفسیر ہے یا حکم جدید ہے؟

چہارم۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا یعنی چور مرد ہو یا عورت اُس کے ہاتھ کاٹ دو۔ اس چوری کا نصاب جو حدیثوں میں آیا ہے وہ ربع دینار یا دس درہم کی چیز ہے۔ یہ قید اس آیت کی تفسیر میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آیت تو عام ہے چاہے پیسے کی چوری ہو یا روپے کی۔ ایک دینار کی ہو یا سو دینار کی۔

یہ چند مثالیں ہم نے بیان کی ہیں۔ اگر بالاستیعاب سب مثالیں لکھی جائیں تو اچھی خاصی ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ مگر ہم بحکم خیر الکلام ما قل ودل چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ بقول مرزا غالب مرحوم ؎

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

پس مختصر یہ ہے کہ آپ نے منکرِ حدیث سائل کے جواب میں جو حدیث کو قرآن مجید کی تفسیر بتا کر اس کو ساکت کیا ہے بہت اچھا کیا۔ ہماری ان مثالوں کے جواب میں حدیث کو مثبت حکم شرعی مان کر خود سند فرمائیں۔ تاکہ ہمیں بھی کہنے کا موقع ملے ؎

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

(۲۶-اکتوبر ۱۹۵۵ء)

آٹھویں قسط

اب ہم وہ اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا موصوف کا مسلک کیا ہے۔ اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو واجب العمل سنت نہیں جانتے۔ اور یہ بھی کہ جو اصطلاحات علماء حدیث کی متعلقہ سنت و بدعت رائج ہیں۔ مولانا موصوف ان کے بھی پابند نہیں۔ لطف یہ کہ اپنی طرف سے بھی کوئی اصطلاح مقرر نہیں کرتے۔ چنانچہ رسالہ "ترجمان القرآن" کا مندرجہ ذیل اقتباس قابل ملاحظہ ہے۔ ناظرین بغور پڑھیں۔ موصوف فرماتے ہیں :-

"میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں۔ جو بالعموم آپ حضرات (فقہاء اور محدثین) کے ہاں رائج ہیں۔ آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی داڑھی رکھتے تھے۔ اتنی ہی بڑی داڑھی رکھنا سنت رسول یا اسوۂ رسول ہے۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عادات رسول کو بعینہٖ وہ سنت سمجھتے ہیں جن کے جاری اور قائم کرنے کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے[1] جس سے نہایت بُرے نتائج

---

[1] ناظرین ان الفاظ کو یاد رکھیں۔ کیونکہ یہی امور زیر بحث اور مابہ النزاع ہیں۔

پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آیندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے ۔

(ترجمان القرآن جلد ۴۱ عدد ۴۰۳، ۵،۰ صفحہ ۲۷۶ بابت مئی جون ۱۹۵۴ء)

عجیب علماء حدیث ان اصطلاحات کے متعلق جو الفاظ استعمال کرتے ہیں - وہ کتب اصول میں موجود ہیں - اسوہ سے مراد ان کی فعل نبوی ہے - قرآن مجید میں بھی یہ لفظ آیا ہے - چنانچہ ارشاد ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ ۲۱ - ع ۱۹)

اسی بنا پر صحابہ کرام ازواج مطہرات سے پوچھا کرتے تھے کہ آنحضرت علیہ السلام گھر میں رہ کر کیا کام کیا کرتے ہیں - ازواج فرماتیں کان فی مھنۃ اھلہ (بخاری) حضور گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہتے - صحابہ کی غرض اس سوال سے یہی ہوتی تھی کہ ہم بھی اپنے گھروں میں وہی کام کریں جو آنحضرت علیہ السلام کیا کرتے ہیں تاکہ اسوہ حسنہ کی تعمیل مکمل ہو جائے - بدعت کی تعریف بھی علماء حدیث کے نزدیک وہی ہے جو حدیث میں یوں آئی ہے :-

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد - (مشکوٰۃ شریف)

جو شخص دین اسلام میں کوئی نئی بات نکالے وہ مردود ہے - پس یہی بدعت ہے - اسوہ اور سنت دونوں ایک ہی چیز ہیں - ان دونوں کا ملخص یہ ہے :-

ما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مودودی کو چاہئے تھا ان اصطلاحات پر ناراضگی کا اظہار کرکے اپنی اصطلاحات پیش کرتے مگر انہوں نے وہی کیا ہے جو کسی شاعر نے کیا تھا جس نے ایک مولوی صاحب کے حق میں جن سے اُس کو کچھ چپقلش تھی - یہ شعر کہا تھا

واعظِ شہر کہ مردم ملکش مے خوانند

قول ما نیز ہمین است کہ او مردم نیست

یعنی شاعر کہتا ہے کہ لوگ مولوی صاحب کو فرشتہ کہتے ہیں - ہم بھی ان کے حق میں یہی کہتے ہیں کہ وہ آدمی نہیں ہیں - باقی رہی یہ بات کہ وہ ہیں کیا - یہ

در بطن شاعر۔

اس طرح جناب مودودی صاحب نے کمال کیا کہ ان اصطلاحات کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر نہیں کیا۔ اگر ظاہر کر دیتے تو ہم بھی اس پر غور کرتے۔ اب تو آپ اس مصرع کے ماتحت بخیریت رہے ؎

نہ گفتہ ندارد کسے با تو کار

آپ نے بڑی خفگی کے لہجہ میں ان اصطلاحات کے ماتحت ہمیں برے نتائج سے ڈرایا ہے۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہیں ؎

ناصحا آنا تو دل میں تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہیں کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

مولانا مودودی صاحب جب ان اصطلاحات کی خرابیوں کا اظہار کریں گے جو ان کے ذہن میں ہیں تو ہم بھی ان کا جواب دیں گے یا قبول کر لیں گے۔ سردست تو ہم ان خرابیوں کو بچوں کا ہوّا سمجھتے ہیں۔

ایک لطیف واقعہ کئی سال ہوئے آگرہ میں ایک جلسہ اسلامیہ ہوا تھا۔ جس میں مختلف مذاہب کے واعظ جمع تھے۔ سنی بھی تھے، شیعہ بھی تھے، میرے جیسے اہل حدیث بھی تھے۔ میں نے اپنی تقریر میں بڑی نرمی کے ساتھ اتباع سنت کا شوق دلانے کو کہا کہ جو کام حضور علیہ السلام نے کیا وہ بلا کھٹکا کرو۔ جو نہیں کیا وہ مت کرو۔ میرے دل میں چونکہ بدعات مروجہ سے نفرت تھی۔ اس لئے میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ کہ حضور علیہ السلام نے اگر تعزیہ بنایا تھا تو بنالو۔ اگر مولود کیا تھا تو کر لو۔ اگر نہیں کیا تو چھوڑ دو۔ شیعہ جماعت بھی اس جلسہ میں شریک تھی۔ ان کے ایک زبردست واعظ بھی موجود تھے وہ بھلا اس اصول کو سن کر کیسے خاموش رہتے۔ میرے بعد وہ سٹیج پر آئے۔ آنحضرت علیہ السلام کی بڑی تعریف کی۔ آپ کو بہت بڑھایا۔ نتیجہ کے طور پر جتایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسے نبی نے جو کچھ کیا تھا وہی ہم کریں۔ مطلب

یہ تھا کہ اتباع سنت کی پابندی ہم سے اٹھا دی جائے۔ بلکہ ہمیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ جس رسم کو چاہیں داخل مذہب کر لیں۔ میں نے یہ سن کر کہا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ط

اب میں بتاتا ہوں کہ مولٰنا مودودی صاحب نے مذکورہ اقتباس میں اپنا جو خیال بتایا ہے۔ در اصل یہ حنفی مسلک ہے۔ کتب اصول نورالانوار وغیرہ میں لکھا ہے کہ افعال نبوی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ سنن ہدیٰ اور سنن زوائد۔ سنن ہدیٰ ان افعال کو کہتے ہیں جو از قسم عبادات ہوں اور ان پر ثواب مرتب ہو اور سنن زوائد وہ ہیں جو بنیت عبادت نہیں بلکہ بطور عادت کے کئے ہوں۔ چنانچہ وہ انہی میں مندرجہ ذیل افعال نبویہ کو شمار کرتے ہیں۔ صبح کی سنتیں پڑھ کر دائیں کروٹ ذرا سا لیٹ جانا۔ دوسری اور چوتھی رکعت کو اٹھتے وقت ذرا بیٹھ جانا۔ جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں، عید الفطر کی نماز کو کچھ کھا کر جانا اور عید اضحیٰ کی نماز کو بغیر کھائے جانا اس قسم کے بہت سے افعال نبویہ حنفیہ کے نزدیک سنن زوائد میں داخل ہیں۔ محدثین کے نزدیک یہ سب سنن ہدیٰ ہیں۔ صحابہ کرام کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حتے الامکان کسی فعل نبوی کو نہیں چھوڑتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت روایت ہے کہ وہ مکہ مدینہ کے درمیان ایک مقام پر پہنچ کر شتر سے اتر آتے اور پیشاب کرنے بیٹھ جاتے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ میں نے آنحضرت علیہ السلام کو یہاں پیشاب کرتے دیکھا تھا۔ مگر یہ عشق کا رنگ ہے۔ سچ ہے ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلیٰ
نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

ہمیں مولٰنا مودودی کے اس مسلک پر اعتراض نہیں۔ بلکہ ہم خوش ہیں کہ انہوں نے اپنا مسلک صاف لفظوں میں بتا دیا۔ گو انہوں نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ کس گروہ کا مسلک ہے۔ شاید یاد نہ ہوگا۔ قرآن مجید کو غور سے

پڑھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ اپنے معنی میں بہت وسیع ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے افعال نبویہ کو شامل ہے۔ سُنن ہدیٰ اور زوائد کا امتیاز باقی نہیں رہنے دیتی۔ بلکہ بآواز بلند کہتی ہے ؎ بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(اہلحدیث ۲۳ نومبر ۱۹۲۵ء)

نویں قسط

مولانا مودودی کا فتویٰ در بارہ تقلید و عدم تقلید

کچھ شک نہیں کہ لفظ تقلید بمعنی معروف نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ بلکہ یہ علمائے اصول کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جب سے ہندوستان میں بحث تقلید کا چرچا ہوا ہے اس لفظ کی تعریف و تشریح کافی سے زیادہ شائع ہو چکی ہے۔ ان ساری تشریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ تقلید ہے اَخْذُ قَوْلِ غَیْرِ النَّبِیِّ بِدُوْنِ مَعْرِفَۃِ دَلِیْلِہٖ۔ مسلم الثبوت وغیرہ کتب اصول اس تعریف کی حامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی غیر نبی کے مسئلہ شرعی کو مان لینا اس کی دلیل جاننے کے بغیر یہ اس کی تقلید ہے۔ مثلاً دو شخص بغرض سوال ایک عالم کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم کیا ہے۔ واجب ہے یا حرام؟ وہ مولوی صاحب فرما دیں کہ واجب ہے یا حرام۔ صرف اس کے اتنے قول پر یقین کرنے والا اس مفتی کا مقلد ہے۔ اور اگر پوچھے کہ آپ کے فتویٰ کی دلیل کیا ہے۔ اور وہ مفتی صاحب اپنے فتوے کی دلیل میں آیت یا حدیث پیش کریں تو وہ غیر مقلد ہے۔ فتویٰ چاہے وجوب فاتحہ کا ہو یا حرمت کا۔ اس سے بحث نہیں۔ چونکہ خدا اور رسول کا حکم خود اپنے اندر دلیل رکھتا ہے۔ اس لئے صاحب مسلم الثبوت نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا۔

فالرجوع الی الرسول لیس بتقلید

ورسول کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے)
کیونکہ رسول کا قول کسی دوسرے قول کا محتاج نہیں۔ بلکہ وہ اس مثال کا مصداق ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب
اس تمہید کے بعد مولانا مودودی کا فتویٰ سننے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اسلام میں دراصل تقلید سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کی نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید بھی اس بنا پر ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور کرتے ہیں وہ اللہ کے اذن اور فرمان کی بنا پر ہے، ورنہ اصل میں تو مطاع اور آمر اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں۔ ائمہ کی پیروی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ان ائمہ نے اللہ اور رسول کے احکام کی چھان بین کی۔ آیاتِ قرآن اور سنتِ رسول سے معلوم کیا۔ کہ مسلمان کو عبادات اور معاملات میں کس طریقہ پر چلنا چاہئے اور اصول شریعت سے جزئی احکام کا استنباط کیا۔ لہٰذا وہ بجائے خود آمر و ناہی نہیں ہیں۔ نہ بذاتِ خود مطاع اور متبوع ہیں۔ بلکہ علم نہ رکھنے والے کے لئے علم کا ایک معتبر ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ جو شخص خود احکامِ الٰہی اور سننِ نبوی میں نظر بالغ نہ رکھتا ہو اور خود اصول سے فروع کا استنباط کرنے کا اہل نہ ہو اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ علماء اور ائمہ میں سے جس پر بھی اسے اعتماد ہو اس کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کرے۔ اگر کوئی شخص اس حیثیت سے ان کی پیروی کرتا ہے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کو بطور خود آمر و ناہی سمجھے یا ان کی اطاعت اس انداز سے کرے جو اصل آمر و ناہی کی اطاعت ہی میں اختیار کیا جا سکتا ہو۔ یعنی ائمہ میں سے کسی کے مقرر کردہ طریقہ سے ہٹنے کو اصل دین سے ہٹ جانے کا ہم معنی سمجھے اور اگر کسی ثابت شدہ

حدیث یا صریح آیت قرآنی کے خلاف ان کا کوئی مسئلہ پایا جائے تب بھی وہ اپنے امام کی پیروی پر اصرار کرے تو یہ بلا شبہ شرک ہوگا۔"

(ترجمان القرآن ماہ رمضان وشوال ۱۳۶۳ھ ص۸۶)

مجیب اس اقتباس میں مولٰنا موصوف سے اگر غلطی نہیں تو سہو و نسیان ضرور ہوا ہے۔ کہ تقلید کے جو معنی علمائے اصول کی اصطلاح میں ہیں انہوں نے چھوڑ دیئے ہیں۔ یا اس سے ان کو بھول ہوگئی۔ ان معنے سے کوئی رسول کا مقلد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ تقلید دلیل سے بے علمی کا نام ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی "کتاب المستصفیٰ" میں لکھتے ہیں کہ تقلید لیس فی شیئ من العلم (تقلید علم کا کوئی درجہ نہیں) تو جو شخص رسول علیہ السلام کی بات سن کر مانے اس کو اصل دین کا علم حاصل ہوچکا ہو وہ مقلد کیسے ہوا؟ مولٰنا موصوف کو سہو ہوگیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خیال نہیں فرمایا کہ تقلید علماء اصول کے نزدیک تو بے علمی کا درجہ ہے اور علمائے فلسفہ کی اصطلاح میں عدم ملکہ کا درجہ ہے۔ فافھم فانہٗ دقیق۔

مختصر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض واجب ہے۔ تقلید فرض واجب نہیں بلکہ ان کے اتباع کو تقلید کہنا جائز ہی نہیں۔ ورنہ لازم آئیگا کہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب مقلد تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو مولٰنا روم جیسے صوفی صافی بزرگ مقلد کی شان میں یہ شعر کیوں لکھتے ؎

آں مقلد ہست چوں طفل علیل
گرچہ دارد بحث باریک و دلیل (مثنوی)

(مقلد بیمار بچے کی طرح ہے چاہے حجتیں اور باتیں بہت بنائے)

کیا مولٰنا کا یہ حکم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لگ سکتا ہے ہرگز نہیں

لطیفہ گزشتہ چند سال گزرے ہیں کہ ایک رسالہ در بارہ تقلید میرے مکرم

دوست مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی سے ہوا تھا۔ جو اخبار "اہلحدیث" اور "اعدل" گوجرانوالہ میں شائع ہوتا رہا[1]۔ موصوف نے اس میں ایک نئی بات پیدا کی تھی کہ سب سے پہلا غیر مقلد شیطان تھا۔ جس نے خدا سے سجدہ آدم کے لئے دلیل طلب کی تھی۔ میں اس وقت بھی سُن کر حیران ہُوا تھا کہ ہمارے مخاطب اپنی کتب اصول سے جن پر ان کو ناز ہے۔ کیوں ایسے بے خبر ہو گئے ہیں کہ وہ شیطان کو خدا سے طالب دلیل کہہ کر غیر مقلد بناتے ہیں۔ وہ نہیں سوچتے کہ خدا کے حکم سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

امرت سر کے ایک جلسہ دیوبندیہ میں مولوی خیر محمد صاحب جالندہری نے بھی یہی مضمون میرے جواب میں کہا تھا۔ جس سے مجھے مزید تعجب ہُوا۔ آخر مجھے امام غزالیؒ کے قول سے تسلی ہوئی کہ تقلید علم کا درجہ نہیں۔

مولانا مودودی نے علماء مجتہدین کا جو منصب بتایا ہے وہ ٹھیک ہے کہ وہ مُوجدِ حکم نہیں بلکہ مبلغ حکم ہیں۔ مگر عامی لا یعلم کو ان (مجتہدین) کے بتائے ہوئے مسئلے کا مقلد بنانا قابلِ غور بات ہے۔

کیونکہ اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے یا نتیجہ یہ ہُوا کہ سائل ان ائمہ میں سے ایک امام کو اپنا واجب الاتباع ضرور قرار دے لے۔ حالانکہ یہ کوئی دینی مسئلہ نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ عامی آدمی کو اپنے ہر مخاطب عالم سے مسئلہ پوچھ لینا چاہئے۔ چنانچہ ردالمختار شامی میں شیخ ابن ہمامؒ کا قول درج ہے کہ زمانہ سلف میں یہی دستور تھا کہ عامی آدمی اپنے شہر کے جس مفتی سے چاہتا فتوےٰ پوچھ لیتا۔

ہمارے خیال میں ان دو سوالوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک سوال کے الفاظ یہ ہیں کہ سائل کہتا ہے مولوی صاحب! فلاں مسئلے میں خدا و رسول کا کیا حکم ہے؟

---

[1] یہ مضمون بعد میں بصورت رسالہ «موسومہ تنقید تقلید» طبع ہو گیا تھا۔ جو دفتر اہلحدیث امرت سر سے مل سکتا ہے قیمت ۸ ر محصول ڈاک ۲ ر علاوہ ہوگا۔

دوسرے سوال کے الفاظ یہ ہیں کہ مولوی صاحب فلاں مسئلے میں حنفی مذہب کا کیا فتویٰ ہے؟

مولٰنا موصوف بتائیں کہ دو نو سوالوں میں سے کس سوال کے الفاظ ان کے نزدیک صحیح ہیں اور کس کے غلط - ہم پچھلے سوال کے الفاظ کو غلط سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس میں سائل نے پہلے ہی حنفی مذہب کو واجب الاتباع مذہب مان رکھا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں - بلکہ اصل واجب الاتباع مذہب خدا اور رسول کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :- اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (ع۔ پ)

نیک مشورہ ہم مولٰنا مودودی کو دوستانہ مشورہ دیں تو غالباً کوئی شکایت نہ ہوگی - کہ وہ مسئلہ تقلید کے متعلق کتاب "معیار الحق" مصنفہ مولٰنا نذیر حسین صاحب دہلوی اور "الارشاد" مصنفہ مولوی ابو یحییٰ صاحب شاہجہان پوری ملاحظہ فرمائیں تو ان پر مسئلہ تقلید اور عدم تقلید خوب واضح ہو جائے گا۔

سردست میں اس بارے میں اس پر اکتفا کرتا ہوں ع

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

(اہلحدیث ۹ نومبر ۴۵ء)

دسویں قسط

تحریکات زمانیہ

ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے سامنے کئی تحریکیں اٹھیں۔ ہم نے ان سب کو غور سے دیکھا تو ان کی ابتدا اور انتہا میں فرق پایا - بانی تحریک ابتدا میں نہایت مستحسن الفاظ سے تحریک شروع کرتے رہے ہیں۔ مگر تھوڑی دور چل کر اپنی روش کو بدل دیا - علماء اسلام ان کی ابتدا کو دیکھ کر ان کے ساتھ ہوتے رہے۔ مگر جونہی انہوں نے اپنی روش میں تبدیلی کی تو علماء کی روش میں بھی تبدیلی آگئی - پہلی تحریک علی گڑھ سے اٹھی - جس کے محرک سرسید احمد خان

مرحوم تھے۔ یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقی کے لئے تھی۔ اس لئے مسلمان اس کے حامی کار ہوئے۔ مگر جب سر سید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا تو بگاڑ شروع ہو گیا۔

دوسری تحریک قادیان سے اٹھی۔ جس کے محرک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہوئے۔ جن کا پہلا اشتہار براہین احمدیہ کے متعلق شائع ہوا۔ جو اچھی خاصی جلد کی شکل میں مطبوع ہے۔ اس میں اس تحریک کے محرک نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ایک کتاب موسومہ "براہین احمدیہ" شائع کروں گا۔ جس میں قرآن اور اسلام کی صداقت کے تین سو زبردست دلائل ہونگے۔ اس اشتہاری پروگرام کو دیکھ کر بہت سے علماء اور دیگر حامیان اسلام اس تحریک کے مؤید ہو گئے۔ مگر تھوڑی دور چل کر اس محرک نے اپنا پہلو بالکل بدل دیا۔ تین سو زبردست دلائل میں سے ایک دلیل بھی مکمل شائع نہیں کی۔ حالانکہ کتاب کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اب تو مصنف کا بھی خاتمہ ہو گیا ہے ان سب کو دیکھنے سے بے ساختہ منہ سے نکلا اور نکلتا ہے ؏

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

نبوت محمدیہ کے اثبات کی بجائے نبوت مرزائیہ کے اثبات میں سارا وقت لگا دیا۔ یعنی جو تحریک ابتدا میں سنہری شکل میں نمودار ہوئی تھی وہ خاتمہ پر نہایت بھونڈی سی صورت اختیار کر گئی۔ میرے علم اور تحقیق میں اسلامی تحریکوں میں کوئی تحریک ایسی نہیں جس کی ابتدا اور انتہا اتنی مختلف ہو جتنی کہ قادیانی تحریک کی ہوئی۔ کیونکہ قادیانی محرک نے اپنی تحریک کو آگے چل کر مذہبی تبدیل کر دیا۔ اس لئے علماء بھی ان سے بدک کر الگ ہو گئے۔ اور یہ شعر انہوں نے قادیانی محرک کے حق میں پڑھنا شروع کیا۔ جو عرب کے شاعر نے اپنی محبوبہ کے حق میں لکھا ہے ؎

لا یغرّنک ما منّت و ما وعدت
انّ الامانی والاحلام تضلیلُ

یعنی قادیانی دعوے سراسر خواب یا سراب ہیں جن کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔

تیسری تحریک ہمارے سامنے خاکساروں کی اٹھی۔ جس کے بانی مسٹر عنایت اللہ خان مشرقی کہلاتے ہیں۔ یہ صاحب امرتسر کی پیدائش اور امرتسر کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد بٹالہ کے ندگر خاندان میں پیدا ہوئے۔ غریبی کی حالت میں امرتسر آگئے۔ حاجی نظام الدین مرحوم جو ہمارے استاد مولانا احمد اللہ مرحوم کے خسر اور خان محمد شاہ رئیس امرتسر کے خلیرے بھائی تھے۔ انہوں نے ان کی پرورش و تربیت کی اور تعلیم دلوائی۔ تعلیم کے بعد انہوں نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔ کلرک آف دی کورٹ کے منصب تک پہنچ کر پنشن یاب ہو گئے۔ آپ کا نام منشی عطا محمد صاحب تھا۔ آپ عقیدۃً سرسید احمد خان کے معتقد تھے۔ اس بنا پر انہوں نے مرزا قادیانی کو خط لکھا کہ اپنی مسیحیت کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کرو۔ اسی کے جواب میں مرزا صاحب نے کتاب "شہادت القرآن" لکھی تھی۔ مرحوم مجھ سے بھی مراسم الفت رکھتے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ عنایت اللہ خان مشرقی بعد تعلیم انگلستان سے واپس آکر خاکساری تحریک کے بانی ہوئے۔ چونکہ ہندوستان انگلستان کے لحاظ سے مشرق کی طرف ہے۔ اس لئے آپ نے اپنا لقب علامہ مشرقی رکھا۔ جن کو ہماری اصطلاح میں لیڈر مشرقی کہا جاتا ہے لیڈر مشرقی نے عسکری تحریک اٹھائی یعنی یہ دعویٰ کیا کہ میں مسلمانوں کو فوجی تربیت دے کر فوجی نظام میں لانا چاہتا ہوں۔ فوجی نظام کوئی ایسی مکروہ تحریک نہ تھی کہ کوئی اس کی مخالفت کرتا۔ اس لئے شروع شروع میں بہت سے نوجوان لڑکے اس میں شریک ہو گئے۔ اور بازاروں میں فوجی گشت کرتے نظر آنے لگے۔ بہت سے شہروں میں ان کے جلسے ہوئے۔ جن کا نام وہ اپنی اصطلاح میں کیمپ رکھتے تھے۔ اس تھوڑی سی کامیابی سے مشرقی لیڈر کے دماغ میں کچھ تغیر پیدا ہوا۔ تو انہوں نے علماء اسلام کے عقائد میں

تصرف کرنا اور ان میں بڑے الفاظ میں دخل دینا شروع کر دیا۔ علماء کی مذمت میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے۔ جن میں ایک کا نام "مولوی کا مذہب" رکھا۔ بازاروں میں ان رسالوں کو بیچنے والا یوں پکارتا "مولوی کا مذہب قیمت ایک پیسہ"۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علماء اسلام میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے علماء اسلام ہتھیار سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے خلاف پے در پے تحریریں نکلنی شروع ہو گئیں۔ صورت حال یہ ہو گئی۔ گویا یہ شعر ان پر صادق آیا ؎

سودا نہ نکل گھر سے کہ ہیں ڈھونڈتے تجھے
لڑکے پھرے ہیں پتھروں سے دامن بھرے

اسی ضمن میں میں نے بھی ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام "خاکساری تحریک پر ایک نظر"[1]۔ اس کتاب میں مشرقی صاحب کے مقالات اور غلط خیالات کا کافی جواب دیا۔ مگر ان کی تحریک عسکریت کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ صاف لکھا کہ آپ اپنی کوشش کو اسی تحریک پر مرکوز رکھتے تو ہم بھی مخالف نہ ہوتے جو کچھ مخالفت ہوئی ہے آپ کی طرف سے ہوئی ہے ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

ان تینوں تحریکوں کا ذکر میں نے بطور مثال کیا ہے۔ علماء اسلام کو ان تحریکات کے متعلق معتوب کرنے والا غور کرے کہ بے انصافی کس کی طرف سے ہوئی ہے ؏ پس ذرا انصاف سے کہئے نکالا کس نے شر پہلے

چوتھی تحریک ہمارے سامنے مودودی تحریک ہے۔ اپنی تحریک کے متعلق موصوف نے ایک رسالہ موسومہ دستور شائع کیا ہے۔ اس میں جو مضمون ہے وہ دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک حصہ اصلاح عقائد کے متعلق ہے وہ تو گویا کتاب تقویۃ الایمان

---

[1] یہ رسالہ آج کل دفتر ہذا میں ختم ہے۔ (منیجر)

مصنفہ مولانا شہید قدس سرہ سے ماخوذ ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان بالخصوص اہل حدیث اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ دوسرا حصہ ان تعلقات کے متعلق ہے جو ہندوستانیوں کو موجودہ حکومت سے ہیں۔ ان کے متعلق بانئ تحریک مودودی کا ارشاد ہے کہ ہر قسم کے تعلقات حکومت سے توڑ دیں۔ مثلاً خطابات (خان بہادری وغیرہ) ترک کر دیں۔ ملازمتیں چھوڑ دیں، وکالت کا پیشہ بھی ترک کر دیں، بلکہ اسمبلی کی ممبری بھی چھوڑ دیں۔ الغرض پورا عدم تعاون کریں۔ ہمارے خیال میں یہ حصہ قابل غور ہے۔ کیونکہ ہم قرآن مجید میں یہ پاتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کافر بادشاہ کے ماتحت انتظام سلطنت کرتے تھے۔ کسی ایک نبی کا فعل بھی ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ مگر اس بحث کو ہم طول دینا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہماری دلی تمنا ہے کہ خدا وہ دن لائے۔ کہ ہندوستان اسلام کے نور سے بالکلیہ منور ہو جائے۔ اس لئے ہماری دلی دعا ہے

؎ ہند کو اس طرح اسلام سے بھر دے لے شاہ
کہ نہ آئے کوئی آواز جز اللہ اللہ

ہمارا مشورہ مولانا مودودی صاحب تحریک جاری کرتے ہوئے ہم سے مشورہ پوچھتے۔ تو ہم تحریم خمر کے مطابق ان کو یوں مشورہ دیتے۔ کہ آپ اپنی تحریک کو سات جماعتوں پر تقسیم کریں۔

اوّل جماعت۔ نماز روزہ کی پابندی کرنے والی اور نماز کو بفہم ترجمہ الفاظ اور با جماعت پڑھنے والی۔

دوسری جماعت۔ ترک کذب اور صدق مقال کو لازم سمجھنے والی۔ اور زبان کو ہر قسم کی بدگوئی اور غیبت وغیرہ سے محفوظ رکھنے والی۔

تیسری جماعت۔ ترک حرام کرنے والی خواہ تجارت کی شکل میں ہو یا سود اور رشوت خوری کی شکل میں یا شراب اور دیگر منشیات اور مفترات کی شکل میں

چوتھی جماعت۔ مال مردم خوری کو ترک کرنے والی۔ چاہے چھوٹے

مقدمات کرکے ڈگریاں حاصل کرنے کی صورت میں ہو یا قرض وغیرہ کھا جانے کی صورت میں ہو۔

پانچویں جماعت۔ خلق خدا کو فائدہ پہنچانے والی بلا امتیاز مذہب وملت خدمت کرنے والی۔ جس کا ذکر مولٰنا حالی مرحوم نے ایک بند میں بضمن ترجمہ حدیث یوں کیا ہے ؎

سکھائی انہیں[1] نوع انساں پہ شفقت کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت شب و روز پہنچاتے ہیں ان کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں

چھٹی جماعت وہ ہوتی۔ جس کا کورس خود قرآن مجید میں آیا ہے۔ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (جو خدا کے خوف سے ڈرے اور اپنے نفس کو بُری خواہشوں سے روکے اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا)۔

ان سب کے بعد ساتویں جماعت وہ ہوتی جو حسب ضرورت مال وجان قربان کرتے ہوئے یہ کہتی ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پہلی چھ جماعتوں کے بعد یہ ساتویں جماعت بالکل آسان ہو جاتی۔ مگر آپ نے عجلت سے کام لیتے ہوئے پرائمری سکول قائم کرنے کے بجائے بی۔ اے کی جماعتیں کھول دیں۔ خدا آپ کی یہ لغزش معاف کرے۔ اور آنحضرت علیہ السلام کے اسوہ حسنہ حیات مکیہ اور حیات مدنیہ پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ میں زیادہ طوالت میں جانا نہیں چاہتا اور نہ ضرورت سمجھتا ہوں ؏

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

---

[1] آنحضرت علیہ السلام نے صحابہ کرام کو یہ تعلیم دی تھی۔ (مجیب)

خدا ہماری کوششیں ادھوری ہوں یا پوری بار آور کرے۔ میں آپ کو اور بھی بہت کچھ کہنے کا دل میں خیال رکھتا ہوں۔ دیکھیں کب موقعہ ملے ؎

میرے دل میں ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

شنبہ ۲۵ (اہلحدیث ۱۰ نومبر)

گیارھویں قسط

مولنا مودودی اور مسئلہ ریش

اہلحدیث ۱۰ نومبر میں ہم مولنا مودودی سے خطاب ختم کر چکے تھے۔ اس کے بعد مدراس سے ایک خط پہنچا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب سے مولینا مودودی نے داڑھی کا مسئلہ ترجمان بابت ماہ مارچ مئی اور جون ۱۹۴۵ء جلد ۲۶ میں شائع کیا ہے۔ اکثر علماء نے جن کا تعلق جماعت اسلامی مودودی سے ہے۔ اپنی اچھی خاصی خوبصورت ڈاڑھیوں کو کاٹ چھانٹ کر بالکل مختصر کر لیا ہے" (عبداللہ از مدراس)

عجیب اس خط میں علماء کا لفظ دیکھ کر ہمیں تعجب ہوا۔ اور یہ تعجب ہم کو دوسری دفعہ پیش آیا۔ اس سے پہلے ہمیں اس وقت تعجب ہوا تھا۔ جب مرزا صاحب قادیانی نے جو دراصل حنفی تھے مولوی نورالدین صاحب کو (جو اہل حدیث تھے) خط لکھا تھا کہ مولوی صاحب بہت مدت اہل حدیث کہلائے اب حنفی ہو جائیے۔ مولوی نورالدین صاحب نے بغیر حیل و حجت اور بغیر بحث و تکرار کے یہ خط لکھا ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

(راقم نورالدین حنفی)

اس کا ترجمہ پنجابی زبان میں کسی شاعر نے یوں کیا ؎

نال شرابے رنگ مصلا جے گورو آکھے تینوں
راہیاں رہاں تھیں کدے نہ غافل خبر راہاں دی جینوں

وجہ تعجب ہم کو یہ پیش آئی کہ مولوی نورالدین صاحب جن کے علم وفضل کا ذکر قادیانی لٹریچر میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ انہوں نے جو مذہب اہل حدیث اختیار کیا تھا وہ اپنے علم وفضل کی روشنی میں کیا تھا یا محض شنائے محض کسی کی تقلید سے کیا تھا۔ غالباً شق ثانی کا کوئی بھی قائل نہ ہوگا۔ سب یہی کہیں گے کہ مولوی صاحب جیسے عالم وفاضل مذہبی عقیدہ کو کسی کی تقلید سے اختیار کرنے والے نہیں تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ مرزا صاحب کے کہنے سے اہل حدیث مذہب کو چھوڑ کر حنفی کہلانے لگے۔ یا للعجب!

دوسرا تعجب ہمیں مدراسی صاحب کے خط سے ہوا۔ آپ لکھتے ہیں کہ اکثر علماء جو جماعت مودودی میں داخل ہیں۔ اس میں وجہ تعجب ہم کو یہ پیش آئی کہ وہ شخص جو عالم ہے وہ تو اپنا ہر عقیدہ اور ہر قول وفعل علم کی روشنی میں اختیار کرتا ہے۔ پھر انہوں نے محض ترجمان کے مضمون سے متاثر ہو کر کیوں اپنی ڈاڑھیاں خلاف سنت کترانا شروع کر دیں۔ کیا ان کا پہلا فعل محض شنائے تھا یا دوسرا محض تقلید مودودی سے ہے۔ اس کا جواب دینا انہی کا کام ہے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا قول یہ ہے

ع چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو

مولانا مودودی صاحب نے مسئلہ ڈاڑھی کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے۔ وہ خاص قابل توجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

آنحضرت علیہ السلام جتنی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت رسول یا اسوہ رسول ہے۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عادات رسول کو بعینہٖ وہ سنت سمجھتے ہیں۔ جن کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں۔ (رسالہ ترجمان مذکور)

مجیب :- مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

داڑھی مبارک بھرپور اور کافی تھی۔ مگر یہ کام ان کاموں میں سے نہیں تھا۔
جن کے لئے انبیاء خاص کر آنحضرت علیہ السلام مبعوث ہو کر آئے تھے۔ کیا
یہی آسان جواب ہے۔ لیجئے میں چند باتیں پیش کر کے پوچھتا ہوں۔

(۱) دائیں ہاتھ سے کھانا پینا سنت ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ
میں نے ایک مجلس میں مودودی صاحب کو دیکھا کہ آپ نے کھانا کھاتے
ہوئے پانی بائیں ہاتھ سے پیا۔ راوی مذکور اس پر اظہار تعجب کرتا تھا۔
مودودی صاحب غالباً یہی جواب دیں گے کہ نبی اس کام کے لئے نہیں آئے
کہ دائیں ہاتھ سے پانی پئیں یا بائیں ہاتھ سے۔

(۲) کوئی شخص کہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا کہ اس نے وضو کرتے
ہوئے مسواک نہیں کی جو سنت ہے۔ مودودی صاحب فرماویں گے کہ یہ
کام بھی ان کاموں سے نہیں ہے جن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔

(۳) کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص نے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے بایاں
پاؤں پہلے داخل کیا۔ جو خلاف سنت ہے۔ مودودی صاحب اسی اصول سے
جواب دے دیں گے کہ یہ بھی ان کاموں سے نہیں ہے جن کے لئے انبیاء
علیہم السلام آیا کرتے تھے۔ اسی قسم کے سینکڑوں افعال شرع میں ایسے
ہیں جن کو علماء اسلام سنت اور کار ثواب سمجھتے ہیں۔ مگر مودودی صاحب ایک
اشارہ سے سب کو حذف کر دیں گے کہ یہ کام ان کاموں میں سے نہیں ہیں؛
جن کے لئے انبیاء علیہم السلام آتے تھے۔ کیونکہ جس غرض کے لئے انبیاء
علیہم السلام آئے اور نبی علیہ السلام تشریف لائے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں
صرف اتنا آیا ہے:۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ
اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ط (سورہ نساء)

ہم نے پہلوں اور پچھلوں کو یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

اس کے سوا باقی سب کام بقول مولانا مودودی صاحب، اسی ذیل میں آ جائیں گے کہ ان کے لئے انبیاء نہیں آئے تھے۔ پس مسئلہ تو صاف ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کی داڑھی کافی گھنی تھی۔ مگر مودودی صاحب کے قول کے مطابق یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اب ہم دلیل لائیں تو کہاں سے لائیں جس سے مولانا مودودی صاحب قائل ہو جائیں۔ لہذا ہم شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھ کر صبر و سکون اختیار کرتے ہیں۔ سعدی مرحوم فرماتے ہیں ؎

آں کس کہ بقرآں و خبر ذد نہ رہی
ایں است جوابش کہ جوابش نہ دہی